# ''امریکی جہاد''

گزشتہ دنوں امریکی ایف بی آئی کے ہاتھوں خالد شیخ محمد کی گرفتاری کے بعد روزنامہ نوائے وقت کے مستقل کالم ''نقش خیال'' میں ''سچ کا ٹیکہ'' کے عنوان سے عرفان صدیقی صاحب نے ایک کالم لکھا ہے۔ جس میں انہوں نے جہاد افغانستان کی حقیقت آشکارا کی ہے۔ زیر نظر کالم جہادی حلقوں کیلئے لمحہ فکریہ ہے۔ ادارہ

خالد شیخ محمد اس وقت افغانستان کی سرزمین پر واقع بگرام ہوائی اڈے میں بنے ایک عقوبت خانے میں پڑا ہے، جو سات سمندر پار سے آئے سفید فام نجات دہندوں نے قائم کیا ہے۔ امریکی دفتر خارجہ کا کہنا ہے کہ اس پر تشدد نہیں کیا جائے گا۔ لیکن سچ اگلوانے کیلئے ہر حربہ اختیار کیا جائے گا۔

لیکن سچ تو پہلے ہی آشکار ہے۔ افغانستان کی وادی وکوہسار اور دشت وصحرا کے ایک ایک چپے پر کندہ ہے۔ سچ یہ ہے کہ آج سے کوئی 24 سال قبل، 25 دسمبر 1979ء کی ایک سرد صبح جب طلوع ہوتے سورج کی کرنیں برف پوش پہاڑوں کو چوم رہی تھیں تو کابل کے ہوائی اڈے پر ساز و سامان جنگ، اسلحہ اور فوجیوں سے لدے روسی طیاروں کا تانتا بندھ گیا۔ دن بھر یہ سلسلہ جاری رہا۔ لمبی سیاہ رات کے بعد 26 دسمبر کی ٹھٹھرتی صبح ریڈیو کابل نے دنیا کو بتایا کہ حفیظ اللہ امین کا تختہ الٹ دیا گیا ہے اور اسے عوام دشمن سرگرمیوں کی پاداش میں سارے خاندان سمیت پھانسی دے دی گئی ہے اور اب ببرک کارمل تاجدار افغانستان ہے۔ فضائیں مگ 21 طیاروں کی گونج سے لرزنے لگیں اور اسلام آباد کی خانقاہوں سے واشنگٹن کی بارگاہوں تک زلزلہ سا آ گیا۔

برزنسکی کی قیادت میں ایک امریکی وفد دوڑا دوڑا اسلام آباد پہنچا۔ جنرل محمد ضیاء الحق اپنے طور پر ایک رائے بنا چکے تھے اور پھر ایک ایسے معرکے کا آغاز ہوا جو دیر تک یاد رکھا جائے گا۔ امریکہ کچھ اس طرح سرگرم سفر ہوا کہ اس کا عشق وجنوں ساری حدیں پھلانگ گیا۔ جہاد کا ''خالص اسلامی تصور'' اہل مغرب کے دلوں کی دھڑکنوں میں سماتا چلا گیا۔ جمی کارٹر اور پھر رونالڈ ریگن نے اس ''جہاد کا پرچم'' اٹھایا اور کچھ اس

طرح سے نعرہ زن ہوئے کہ شرق وغرب کی فضائیں الجہاد، الجہاد کی پکار سے گونجنے لگیں۔ امریکہ نے اسلامی دنیا کو للکارا کہ ''اے مجاہدین صف شکن! اٹھو، اپنی تلواریں نیاموں سے نکالو کہ تمہیں روس کے کافروں نے آواز دی ہے۔'' اسلامی ممالک میں قائم امریکی سفارتخانے بھرتی کے دفاتر بن گئے۔ اسلامی اخوت سے سرشار بانکے سجیلے نوجوان پاکستان پہنچائے جانے لگے۔ انہیں عسکری کیمپوں میں تربیت دی جانے لگی۔ امریکہ نے انہیں اسلحہ سے لاد دیا۔ ڈالروں سے بھرے طیارے اسلام آباد کے ہوائی اڈے پر اترنے لگے۔ ''جہاد'' شروع ہوگیا۔ امریکہ اور پاکستان نے باہمی کوششوں سے 72 گروہوں میں بٹے جنگجوؤں کو سات جماعتی جہادی تنظیموں کی لڑی میں پرو دیا۔

یہ وہ عزم آفریں دن تھے جب امریکہ حزب اسلامی (حکمت یار)، حزب اسلامی (خالص)، جمعیت اسلامی، حرکت انقلاب اسلامی، محاذ ملی اسلامی افغانستان، اتحاد اسلامی افغانستان اور جبہ نجات ملی کی بلائیں لیتا اور ان کے عشق میں آتشِ زیر پا رہتا تھا۔ یہی دن تھے جب گلبدین حکمت یار، برہان الدین ربانی، عبدالرب رسول سیاف، یونس خالص، مولوی محمد نبی محمدی، سید احمد گیلانی اور پروفیسر صبغت اللہ مجددی قرونِ اولیٰ کی غاروں سے نکل آنے والے وہ شعلہ صفت مجاہد تھے جنہوں نے انسانیت کی بقاء کیلئے تاریخ عالم کو نئی رفعتوں سے ہمکنار کیا۔ یہی دن تھے جب امریکہ کی ''تبلیغ'' سے متاثر ہوکر اسامہ بن لادن نامی ارب پتی جوان ناز ونعم کی زندگی کو ٹھوکر مار کر اس جہادی سپاہ بے پناہ کا حصہ بن گیا۔ یہی دن تھے جب قندھار میں بیٹھا محمد عمر نامی نوجوان سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر روسیوں سے لڑنے پہاڑوں کو نکل گیا۔ امریکہ کو یاد ہوگا کہ اس نے انہی سرفروشوں کو سٹنگر نامی معجزاتی میزائل دیا تھا اور جب 25 ستمبر 1986ء کے دن مجاہدین نے پہلی بار جلال آباد کے ہوائی اڈے سے یہ میزائل داغے تھے اور ایک ہی دن میں تین روسی طیارے مار گرائے تھے تو واشنگٹن نے کہا تھا ''یہ انسان ہیں یا جن'' تب وائٹ ہاؤس میں بچھے دبیز سرخ قالین ان کی قدم بوسی کی سعادت کیلئے پہروں چشم براہ رہتے تھے۔ یہی دن تھے جب امریکہ کے پریس اعلیٰ آفسٹ پیپر پر جہاد کا درس دینے اور شہادت کی عظمت بیان کرنے والی قرآنی آیات پر مشتمل کتابچے شائع کر رہے تھے۔ یہی دن تھے جب جماعت اسلامی سمیت وہ ساری دینی جماعتیں امریکہ کی آنکھ کا تارا تھیں جو جہاد افغانستان کو اپنے جذبوں اور ولولوں سے مالا مال کر رہی تھیں۔ تب اکوڑہ خٹک، سرخ سامراج کے خلاف روح پرور جہاد کا مقدس مورچہ تھا اور وہ دینی مدارس انسانیت کے چہرے کا حسن تھے جو جہاد افغانستان کو نوعمر مجاہدین کے جتھے فراہم کر رہے تھے۔

یہ 1980ء کی دہائی کی کہانی ہے۔ فروری 1989ء کے وسط میں جب آخری روسی جرنیل دریائے آمو پار کر گیا۔ تب ایک نئی ڈکشنری لکھی جانے لگی، ایک نئی تاریخ رقم ہونے لگی۔ جنرل ضیاء الحق کے طیارے کی راکھ سے نواز شریف کی جلاوطنی تک، اسی نئی تاریخ کے اوراق بکھرے پڑے ہیں۔ 11 ستمبر 2001ء کے بعد سے اس تمثیل کا تیسرا منظر شروع ہوا ہے۔ کردار وہی ہیں لیکن ان کے پیرہن اور نام بدل گئے ہیں۔ اب سوڈان، سعودی عرب، شام، صومالیہ، کویت، عراق، مصر، شام، پاکستان اور دنیا کے ہر خطے سے افغانستان آنے والے مجاہدین، دہشت گرد ہیں۔ وہ کسی خونخوار تصوراتی ''القاعدہ'' کے ممبر ہیں جو پھونک سے بڑے بڑے بلند میناروں کو پیوند کر دیتی ہے۔ کل اس قافلے کے سرفروشوں کو پناہ دینا، انواع و اقسام کے کھانے کھلانا، مالی مدد دینا، اسلحہ فراہم کرنا، جہاد کی تربیت دینا اور ان کے دست مبارک کو بوسہ دینا کار ثواب تھا لیکن آج افغانستان کے جہنم زار سے لٹے پٹے آنے والے ان بے سر و سامانوں میں سے کوئی پاکستان پہنچ جائے تو اسے پانی کا گھونٹ پلانا، روٹی کا نوالہ دینا، سردی سے بچنے کیلئے کوئی بوسیدہ کمبل فراہم کرنا یا اس کے زخم پر مرہم لگانا بھی گناہ ہے۔

ہزار اذیتوں کے باوجود اور سچ اگلوانے والا ٹیکہ لگنے کے بعد خالد شیخ محمد کیا بتائے گا؟ یہی نا کہ ''میں وہ سوختہ ساماں ہوں جس کی تم بلائیں لیتے تھے، جسے تم نے کویت کے ریگزاروں سے آواز دے کر بلایا، جسے تم نے بتایا کہ افغانستان مسلمانوں کا ملک ہے اور جب اسے جارحیت کا نشانہ بنایا جائے تو اس کا دفاع کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ میں آج بھی اسی اصول پر قائم ہوں، میرے پاس آج بھی وہ کتابچے موجود ہیں جو تم نے مجھے دیئے تھے اور جن میں درج قرآنی آیات مجھے سرخ و سفید کا امتیاز کئے بغیر ہر فرعون سے لڑنے کا حکم دیتی ہیں۔''

امریکہ کا تصور جہاد، کیمونزم کو نشانہ بنانے اور ویت نام کی ذلت کا داغ دھونے سے عبارت تھا۔ اس نے وہی کیا جو ہر سامراج کیا کرتا ہے لیکن کیا ہمارا نظریۂ جہاد بھی کسی نئے نظریۂ ضرورت کی بھینٹ چڑھ گیا ہے؟ ہم کیوں کسی باجگزار ریاست کے محکوم والی والا کردار ادا کر رہے ہیں؟ اگر حکومت اتنی ہی بے بس والاچار ہو چکی ہے تو قاضی حسین احمد، مولانا فضل الرحمن اور مولانا سمیع الحق کھل کر کیوں نہیں کہتے کہ ہمارا کسی دہشت گرد اور کسی نام نہاد القاعدہ سے کوئی تعلق واسطہ نہیں۔ لیکن ہم محمد عربیؐ کے ان نام لیواؤں کو تمہارے خونی پنجگل میں نہیں دیں گے، جن کا کوئی قصور نہیں اور اگر ہے بھی تو صرف اس قدر کہ وہ تمہاری رعونت کی دہلیز پر سجدہ کرنے پر آمادہ نہیں۔ کیا ہمارے یہ عزت مآب رہنما اس دن کا انتظار کر رہے ہیں جب کسی سیاہ